راہِ خدا میں جہاد

سید ابوالاعلیٰ مودودی

منشورات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عموماً لفظ 'جہاد' کا ترجمہ انگریزی زبان میں Holy War [یا] 'مقدس جنگ' کیا جاتا ہے، اور اس کی تشریح مدت ہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے، کہ اب یہ لفظ 'جوشِ جنوں' کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

جہاد کی عمومی تصویر

اس کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے، کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے، ڈاڑھیاں چڑھائے، خون خوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آ رہا ہے' جہاں کسی کافر کو دیکھ پاتا ہے، پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ: 'بول، لا الٰہ الا اللّٰہ ورنہ ابھی سر تن سے جُدا کر دیا جاتا ہے'۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی قلم کاریوں کے ساتھ بنائی ہے اور اس کے نیچے موٹے حرفوں میں لکھ دیا ہے کہ ؎

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

مغرب کے جنگ باز

لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ [مغربی] 'مہربان' ہیں، جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجے کی غیر مقدس جنگ (unholy war) میں مشغول ہیں۔ ان کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے، ہر قسم کے اسلحے سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پل پڑے ہیں، اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل زمینیں [تیل کے کنویں] اور معدنیات کی کانیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لیے ایندھن فراہم کریں۔

ان کی جنگ خدا کی راہ میں نہیں بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے، ہوس اور نفس امارہ کی راہ میں ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے بس یہ کافی وجہ جواز ہے کہ اس کی زمین میں کانیں ہیں، یا اجناس کافی پیدا ہوتی ہیں، یا وہاں تیل نکل آیا ہے، یا اپنے کارخانوں کا مال وہاں اچھی طرح کھپایا جا سکتا ہے، یا اپنی زائد آبادی کو وہاں آسانی کے ساتھ بسایا جا سکتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو اس قوم کا یہ گناہ بھی کوئی معمولی گناہ نہیں ہے، کہ وہ کسی ایسے ملک کے راستے میں رہتی ہے جس پر یہ پہلے قبضہ کر چکے ہیں، یا اب قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

ہم [سے] تو جو کچھ [منسوب] کیا وہ زمانہ ماضی کا قصہ ہے اور ان کے کارنامے حال کے واقعات ہیں، جو شب و روز دنیا کی آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں۔ ایشیا، افریقا، یورپ، امریکا، غرض کرۂ زمین کا کون سا حصہ ایسا بچا رہ گیا ہے، جو ان کی اس غیر مقدس جنگ سے لالہ زار نہیں ہو چکا؟ مگر ان کی مہارت قابلِ داد ہے۔ انھوں نے ہماری تصویر اتنی

بھیانک اور اتنی بری بنائی کہ خود ان کی تصویر اس کے پیچھے چھپ گئی۔

اور ہماری سادہ لوحی بھی قابلِ داد ہے۔ جب ہم نے غیروں کی بنائی ہوئی اپنی یہ تصویر دیکھی تو ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ہمیں اس تصویر کے پیچھے جھانک کو خود 'مصوروں' کی صورت دیکھنے کا ہوش ہی نہ آیا اور لگے معذرت کرنے کہ 'حضور' بھلا ہم جنگ وقتال کیا جانیں۔ ہم تو [بدھ] بھکشوؤں اور پادریوں کی طرح پُر امن مبلّغ لوگ ہیں۔ چند مذہبی عقائد کی تردید کرنا اور ان کی جگہ کچھ دوسرے عقائد لوگوں سے تسلیم کرالینا، بس یہ ہمارا کام ہے۔ ہمیں تلوار سے کیا واسطہ؟ البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ہم سے ضرور ہوا ہے، کہ جب کوئی ہمیں مارنے آیا تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اٹھا دیا۔ [لیکن] اب تو ہم اس سے بھی توبہ کر چکے ہیں۔ حضور کی طمانیت کے لیے تلوار والے جہاد کو سرکاری طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب تو جہاد فقط زبان وقلم کی کوشش کا نام ہے۔ توپ اور بندوق چلانا [صرف آپ کی] سرکار کا کام ہے، اور [اگر آپ کی اجازت ہو تو] زبان وقلم چلانا ہمارا کام'۔

غلط فہمی کے اسباب

خیر، یہ تو سیاسی چالوں کی بات ہے۔ مگر خالص علمی حیثیت سے جب ہم اُن اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے **جہاد فی سبیل اللہ** کی حقیقت کو سمجھنا غیر مسلموں ہی کے لیے نہیں، خود مسلمانوں کے لیے بھی دشوار ہو گیا تو ہمیں دو بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کا سراغ ملتا ہے:

- پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام کو اُن معنوں میں ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے، جن میں لفظ

مذہب عموماً بولا جاتا ہے۔

- دوسری غلط فہمی یہ کہ مسلمانوں کو اُن معنوں میں محض ایک قوم سمجھ لیا گیا ہے، جن میں یہ عموماً مستعمل [استعمال] ہوتا ہے۔

ان دو غلط فہمیوں نے صرف ایک جہاد ہی کے مسئلے کو نہیں، بلکہ مجموعی حیثیت سے پورے اسلام کے نقشہ کو بدل ڈالا ہے اور مسلمانوں کی پوزیشن کلی طور پر غلط کر کے رکھ دی ہے۔

مذہب: 'مذہب' کے معنی عام اصطلاح کے اعتبار سے اس کے [علاوہ] اور کیا ہیں کہ وہ چند عقائد اور عبادات اور مراسم کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے مذہب کو واقعی ایک پرائیویٹ معاملہ ہی ہونا چاہیے۔ آپ کو اختیار ہے کہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں، اور آپ کا ضمیر جس کی عبادت کرنے پر راضی ہو، اس کو جس طرح چاہیں پکاریں۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی جوش اور سرگرمی آپ کے اندر اس مذہب کے لیے موجود ہے تو آپ دنیا بھر میں اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے پھریے اور دُوسرے عقائد والوں سے مناظرے کیجئے۔ اس کے لیے تلوار ہاتھ میں پکڑنے کا کون سا موقع ہے؟ کیا آپ لوگوں کو مار مار کر اپنا ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں؟ یہ سوال لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے، جب کہ آپ اسلام کو عام اصطلاح کی رُو سے ایک 'مذہب' قرار دے لیں۔ اور یہ پوزیشن اگر واقعی اسلام کی ہو تو جہاد کے لیے حقیقت میں کوئی وجہ جواز ثابت نہیں کی جا سکتی۔

قوم: اس طرح 'قوم' کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ وہ ایک متجانس (homogeneous) گروہ کا نام ہے، جو چند بنیادی امور میں مشترک ہونے کی وجہ سے باہم مجتمع اور دوسرے

گروہوں سے ممتاز ہوگیا ہے۔ اس معنی میں جو گروہ ایک قوم ہو، وہ دو ہی وجوہ سے تلوار اٹھاتا ہے اور اٹھا سکتا ہے، یا تو اس کے جائز حقوق چھیننے کے لیے کوئی اس پر حملہ کرے، یا وہ خود دوسروں کے جائز حقوق چھیننے کے لیے حملہ آور ہو۔

پہلی صورت میں تو خیر تلوار اٹھانے کے لیے کچھ نہ کچھ اخلاقی جواز موجود بھی ہے، لیکن دوسری صورت کو تو بعض ڈکٹیٹروں کے سوا کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا، حتیٰ کہ برطانیہ، [امریکا]، فرانس، [روس] جیسی سلطنتوں کے مدبرین بھی آج اس کو جائز کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

جہاد کی حقیقت

پس اگر اسلام ایک 'مذہب' اور مسلمان ایک 'قوم' ہے، تو جہاد کی ساری معنویت، جس کی بنا پر اسلام میں اسے افضل العبادات کہا گیا ہے، سرے سے ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی 'مذہب' کا اور مسلمان کسی 'قوم' کا نام نہیں ہے۔

دراصل اسلام ایک انقلابی نظریہ و مسلک ہے، جو تمام دنیا کے اجتماعی نظم (سوشل آرڈر) کو بدل کر اپنے نظریہ و مسلک کے مطابق اسے تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ [جبکہ] مسلمان اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کا نام ہے، جسے اسلام اپنے مطلوبہ انقلابی پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے منظم کرتا ہے۔ جہاد اس انقلابی جدوجہد کا نام ہے، جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی جماعت عمل میں لاتی ہے۔

تمام انقلابی مسلکوں کی طرح اسلام بھی عام مروّج الفاظ کو چھوڑ کر اپنی ایک خاص

اصطلاحی زبان اختیار کرتا ہے، تاکہ اس کے انقلابی تصوّرات عام تصوّرات سے ممتاز ہو سکیں۔ لفظِ جہاد بھی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نے حرب اور اسی نوعیت کے دوسرے عربی الفاظ جو جنگ (war) کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، قصداً ترک کر دیے اور ان کی جگہ 'جہاد' کا لفظ استعمال کیا، جو [جدوجہد] struggle کا ہم معنی ہے، بلکہ اس سے زیادہ مبالغہ رکھتا ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یوں ادا کیا جا سکتا ہے' اپنی تمام طاقتیں کسی مقصد کی تحصیل میں صرف کر دینا۔

سوال یہ ہے کہ پرانے الفاظ کو چھوڑ کر یہ نیا لفظ کیوں اختیار کیا گیا؟

اس کا جواب اور کچھ نہیں کہ 'جنگ' کا لفظ قوموں اور سلطنتوں کی ان لڑائیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا اور آج تک ہو رہا ہے، جو اشخاص یا جماعتوں کی نفسانی اغراض کے لیے لڑی جاتی ہے۔ ان لڑائیوں کے محرک محض ایسے شخصی یا اجتماعی مقاصد ہوتے ہیں جن کے اندر کسی نظریے اور کسی اصول کی حمایت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

اسلام کی لڑائی چونکہ اس نوعیّت کی نہیں ہے، اس لیے وہ سرے سے اس لفظ ہی کو ترک کر دیتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ایک قوم کا مفاد یا دوسری قوم کا مفاد نہیں ہے۔ وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کہ زمین پر ایک سلطنت کا قبضہ رہے یا دوسری سلطنت کا۔ اس کی دلچسپی جس چیز سے ہے وہ انسانیت کی فلاح ہے۔ اس فلاح کے لیے وہ اپنا ایک خاص نظریہ اور ایک عملی مسلک رکھتا ہے۔ اس کا مدعا اپنے نظریے اور مسلک کی حکومت قائم کرنا ہے، بلا لحاظ اس کے کہ کون اس کا جھنڈا لے کر اٹھتا ہے اور کس کی حکمرانی پر اس کی ضرب پڑتی ہے۔

وہ زمین مانگتا ہے......زمین کا ایک حصہ نہیں، بلکہ پورا کرۂ زمین......اس لیے نہیں کہ ایک قوم یا بہت سی قوموں کے ہاتھ سے نکل کر زمین کی حکومت کسی خاص قوم کے ہاتھ میں آ جائے۔ بلکہ صرف اس لیے کہ انسانیت کی فلاح کا جو نظریہ اور پروگرام اس کے پاس ہے، یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہیے، کہ فلاحِ انسانیت کے جس پروگرام کا نام 'اسلام' ہے، اس سے تمام [انسان فیض یاب] ہوں۔ اس غرض کے لیے وہ ان تمام طاقتوں سے کام لینا چاہتا ہے جو انقلاب برپا کرنے کے لیے کارگر ہوسکتی ہیں، اور ان سب طاقتوں کے استعمال کا ایک جامع نام جہــــاد رکھتا ہے۔ زبان و قلم کے زور سے لوگوں کے نقطۂ نظر کو بدلنا اور ان کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے......ظالمانہ نظامِ زندگی کو بدل دینا اور نیا عادلانہ نظام مرتب کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال صَرف کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ کرنا بھی جہاد ہے۔

'فی سبیل اللہ' کی لازمی شرط

اسلام کا جہاد نرا 'جہاد' نہیں ہے بلکہ **جہاد فی سبیل اللّٰہ** ہے۔

'فی سبیل اللہ' اس کے ساتھ ایک لازمی قید ہے۔ یہ لفظ بھی اسلام کی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے، جس کا لفظی ترجمہ ہے 'راہ خدا میں'۔ اس ترجمے سے لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ زبردستی لوگوں کو اسلام کے مذہبی عقائد کا پیرو بنانا **جہاد فی سبیل اللّٰہ** ہے، کیونکہ لوگوں کے تنگ دماغوں میں ''راہ خدا'' کا کوئی مفہوم اس کے سوا نہیں سما سکتا۔ مگر اسلام کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

ہر وہ کام جو اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کیا جائے اور جس کے کرنے والے کا مقصد اس سے خود کوئی دنیوی فائدہ اٹھانا نہ ہو، بلکہ محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، اسلام ایسے کام کو فی سبیل اللّٰہ قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ خیرات دیتے ہیں اس نیّت سے، کہ اسی دنیا میں مادّی یا اخلاقی طور پر اس خیرات کا کوئی فائدہ آپ کی طرف پلٹ کر آئے تو یہ فی سبیل اللّٰہ نہیں ہے، اور اگر خیرات سے آپ کی نیّت یہ ہے کہ ایک غریب انسان کی مدد کر کے آپ خدا کی خوشنودی حاصل کریں تو یہ فی سبیل اللّٰہ ہے۔ پس یہ اصطلاح مخصوص ہے ایسے کاموں کے لیے جو کامل خلوص کے ساتھ، ہر قسم کی نفسانی اغراض سے پاک ہو کر، اس نظریے پر کیے جائیں کہ انسان کا دوسرے انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہے، اور انسان کی زندگی کا نصب العین مالکِ کائنات کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

'جہاد' کے لیے بھی فی سبیل اللّٰہ کی قید اسی غرض کے لیے لگائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظام زندگی میں انقلاب برپا کرنے اور اسلامی نظریے کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لیے اُٹھے، تو اس قیام اور اس سربازی و جاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی غرض نہ ہو۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ قیصر کو ہٹا کر وہ خود قیصر بن جائے۔ اپنی ذات کے لیے مال و دولت، شہرت و ناموری یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں شامل نہ ہو۔ اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہو کہ بندگانِ خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظامِ زندگی قائم کیا جائے۔ اس کے معاوضے میں اسے خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ بھی مطلوب نہ ہو۔

قرآن میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ. [النساء، ۴: ۷۶] جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

'طاغوت' کا مصدر 'طغیان' ہے، جس کے معنی حد سے گزر جانے کے ہیں۔ دریا جب اپنی حد سے گزر جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں طغیانی آ گئی ہے۔ اسی طرح جب آدمی اپنی جائز حد سے گزر کر اس غرض کے لیے اپنی طاقت استعمال کرتا ہے کہ انسانوں کا خدا بن جائے یا اپنے مناسب حصے سے زائد فوائد حاصل کرے تو یہ طاغوت کی راہ میں لڑنا ہے۔

اور اس کے مقابلے میں راہِ خدا کی جنگ وہ ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ خدا کا قانونِ عدل دُنیا میں قائم ہو، لڑنے والا خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسروں سے بھی اس کی پابندی کرائے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَّالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. [القصص، ۲۸: ۸۳] وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے، جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے، اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''راہ خدا کی جنگ سے کیا مُراد ہے؟ ایک شخص مال کے لیے جنگ کرتا ہے۔ دوسرا شخص بہادری کی شہرت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے۔ تیسرے شخص کو کسی سے عداوت ہوتی ہے یا قومی حمیت کا جوش ہوتا ہے اس لیے جنگ کرتا ہے۔ ان میں سے کس کی جنگ **فی سبیل اللّٰہ** ہے؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''کسی کی بھی نہیں۔ **فی سبیل اللّٰہ** تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جو خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتا۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''اگر کسی شخص نے جنگ کی اور اس کے دل میں اونٹ باندھنے کی ایک رسی حاصل کرنے کی بھی نیّت ہوئی تو اس کا اجر ضائع ہو گیا۔''

اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لیے ہو اور کوئی شخصی یا جماعتی غرض پیشِ نظر نہ ہو۔ پس جہاد کے لیے **فی سبیل اللّٰہ** کی قید اسلامی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مجرّد جہاد [بمعنی جدوجہد] تو دنیا میں سب ہی جان دار کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مقصد کی تحصیل کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا ہے۔ لیکن ''مسلمان'' جس انقلابی جماعت کا نام ہے اس کے انقلابی نظریات میں سے ایک اہم ترین نظریہ، بلکہ بنیادی نظریہ یہ ہے کہ اپنی جان و مال کھپاؤ، دنیا کی ساری سرکش طاقتوں سے لڑو، اپنے جسم و رُوح کی ساری طاقتیں خرچ کر دو۔ نہ اس لیے کہ دوسرے سرکشوں کو ہٹا کر تم ان کی جگہ لے لو، بلکہ صرف اس لیے کہ دنیا سے سرکشی و طغیانی مِٹ جائے اور خدا کا قانون دنیا میں نافذ ہو۔

جہاد کے اس مفہوم اور فی سبیل اللّٰہ کی اس معنویت کو مختصراً بیان کر دینے کے بعد ایس دعوتِ انقلاب کی تھوڑی سی تشریح کرنا چاہتا ہوں جو اسلام لے کر آیا ہے، تاکہ آسانی کے ساتھ یہ سمجھا جا سکے کہ اس دعوت کے لیے جہاد کی حاجت کیا ہے اور اس کی غایت (objective) کیا ہے؟

اسلام کی انقلابی دعوت

اسلام کی دعوتِ انقلاب کا خلاصہ یہ ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ. [البقرہ، ۲ : ۲۱] لوگو، بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔

اسلام مزدوروں یا زمین داروں یا کاشت کاروں یا کارخانے داروں کو نہیں پکارتا، بلکہ تمام انسانوں کو پکارتا ہے۔ اس کا خطاب انسان سے بحیثیت انسان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم خدا کے سوا کسی کی بندگی و اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ اگر خود تمھارے اندر خدائی کا داعیہ ہے تو اسے بھی دماغ سے نکال دو، کیونکہ دوسروں سے اپنی بندگی کرانے اور دوسروں کا سر اپنے آگے جھکوانے کا حق بھی تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تم سب کو ایک خدا کی بندگی قبول کرنا چاہیے اور اس بندگی میں سب کو ایک سطح پر آ جانا چاہیے:

اے نبیؐ کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں،

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ [آل عمران، ۳ : ۶۴]

یہ عالم گیر اور کلّی انقلاب کی دعوت تھی۔ اس نے پکار کر کہا کہ: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [یوسف، ۱۲ : ۶۷] 'حکومت سوائے خدا کے اور کسی کی نہیں ہے'۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بذاتِ خود انسانوں کا حکمران بن جائے اور اپنے اختیار سے جس چیز کا چاہے حکم دے اور جس چیز سے چاہے روک دے۔ کسی انسان کو [اس کی ذات میں] امر و نہی کا مالک سمجھنا دراصل خدائی میں اسے شریک کرنا ہے اور دنیا میں یہی اصل بنائے فساد ہے۔

اللہ نے انسان کو جس صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے اور زندگی بسر کرنے کا جو سیدھا راستہ اسے بتایا ہے، اس سے انسان کے ہٹنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور [نتیجہ یہ] کہ خود اپنی حقیقت کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ اس کا انجام پھر لازمی طور پر یہی ہوتا ہے، کہ ایک طرف بعض اشخاص یا خاندان یا طبقے خدائی کا کھلا یا چھپا داعیہ لے کر اٹھتے ہیں، اور اپنی طاقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو اپنا بندہ [اور غلام] بنا لیتے ہیں۔ دوسری طرف اسی خدا فراموشی و خود فراموشی کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ لوگوں کا ایک حصہ طاقت وروں کی خداوندی مان لیتا ہے اور ان کے اس حق کو تسلیم کر لیتا ہے، کہ وہ حکم کریں اور یہ اس حکم کے آگے سر جھکا دیں۔ یہی دنیا میں ظلم و فساد کی بنیاد ہے اور اسلام پہلی ضرب اسی پر لگاتا ہے۔ وہ ہانکے پکارے کہتا ہے:

- ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے [الشعراء، ۲۶ : ۱۵۱۔۱۵۲]

- کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے [الکھف، ۱۸ : ۲۸]

- سنو، خدا کی لعنت ہے ظالموں پر، ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں [ھود، ۱۱ : ۱۸]

وہ لوگوں سے پوچھتا ہے: ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. [یوسف ۱۲ : ۳۹] 'تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟'۔۔۔ اگر اس خدائے واحد کی بندگی قبول نہ کرو گے تو ان چھوٹے اور جھوٹے خداؤں کی آقائی سے تمھیں کبھی نجات نہ ہوگی۔ یہ کسی نہ کسی طور سے تم پر تسلط پائیں گے، اور فساد برپا کر کے رہیں گے:

- یہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں [النمل، ۲۷ : ۳۴]

- جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا [البقرہ، ۲ : ۲۰۵]

مختصراً میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی دعوتِ توحید و خدا پرستی محض اس معنی میں ایک مذہبی عقیدے کی دعوت نہ تھی، جس میں عام طور پر مذہبی عقائد کی

دعوت ہوا کرتی ہے، بلکہ حقیقت میں یہ ایک اجتماعی انقلاب کی دعوت تھی۔ اس کی ضرب بلاواسطہ ان طبقوں پر پڑتی تھی، جنہوں نے مذہبی رنگ میں پروہت بن کر یا سیاسی رنگ میں بادشاہ اور رئیس اور حکمران گروہ بن کر، یا معاشی رنگ میں مہاجن اور زمین دار اور اجارہ دار بن کر عامۃ الناس کو اپنا بندہ [اور غلام] بنالیا تھا۔

یہ کہیں علانیہ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [آل عمران، ۳ : ۶۴] بنے ہوئے تھے، دنیا سے اپنے پیدایشی یا طبقاتی حقوق کی بنا پر اطاعت و بندگی کا مطالبہ کرتے تھے اور صاف کہتے تھے: 'میں تو اپنے سوا تمھارے کسی خدا کو نہیں جانتا' [القصص ۲۸ : ۳۸] اور 'میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں' [النازعات، ۷۹ : ۲۴] اور 'ہم سے بڑھ کر طاقت ور کون ہے' [حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۵] اور کسی جگہ انھوں نے عامۃ الناس [عام لوگوں] کی جہالت کو استعمال کرنے کے لیے بُتوں اور ہیکلوں کی شکل میں مصنوعی خدا بنا رکھے تھے، جن کی آڑ پکڑ کر یہ اپنے خداوندی حقوق، بندگانِ خدا سے تسلیم کراتے تھے۔ پس کفر و شرک اور بت پرستی کے خلاف اسلام کی دعوت اور خدائے واحد کی بندگی و عبودیت کے لیے اسلام کی تبلیغ براہ راست حکومت اور اس کو سہارا دینے والے یا اس کے سہارے چلنے والے طبقوں کی اغراض سے متصادم ہوتی تھی۔

اسی وجہ سے جب کبھی کسی نبی نے: اے برادران قوم' اللہ کی بندگی کرو' اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے' [الاعراف، ۷ : ۵۹] ' کی صدا بلند کی، حکومتِ وقت فوراً اس کے مقابلے میں آن کھڑی ہوئی اور تمام ظلم و فساد کرنے والے طبقے اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ کیونکہ یہ محض ایک مابعد الطبیعی (metaphysical) قضیہ پر مبنی بیان نہ تھا، بلکہ ایک اجتماعی انقلاب کا اعلان تھا، اور اس میں پہلی آواز سنتے ہی سیاسی شورش کی بوسونگھ لی جاتی تھی۔

دعوتِ انقلاب کی خصوصیات

اس میں شک نہیں کہ انبیا علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر ہیں۔

لیکن جو چیز دنیا کے عام انقلابیوں اور ان خدا پرست انقلابی لیڈروں کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچتی ہے، وہ یہ ہے کہ دوسرے انقلابی لوگ خواہ کتنے ہی نیک نیت کیوں نہ ہوں، عدل اور توسط [میانہ روی] کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتے۔ وہ یا تو خود مظلوم طبقوں میں سے اٹھتے ہیں، یا ان کی حمایت کا جذبہ لے کر اٹھتے ہیں اور پھر سارے معاملات کو انھی طبقوں کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر غیر جانب دارانہ اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی، بلکہ ایک طبقے کی طرف غصہ و نفرت کا اور دوسرے طبقے کی طرف حمایت کا جذبہ لیے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ ظلم کا ایسا علاج سوچتے ہیں، جو نتیجتاً ایک جوابی ظلم ہوتا ہے۔ ان کے لیے انتقام، حسد اور عداوت کے جذبات سے پاک ہو کر ایک ایسا معتدل اور متوازن اجتماعی نظام تجویز کرنا ممکن نہیں ہوتا، جس میں مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح ہو۔

اس کے [مقابلے میں] انبیا علیہم السلام خواہ کتنے ہی ستائے گئے ہوں اور کتنا ہی ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم کیا گیا ہو، ان کی انقلابی تحریک میں کبھی ان کے شخصی جذبات کا اثر آنے نہیں پایا۔ وہ براہ راست خدا کی ہدایت کے تحت کام کرتے تھے اور خدا چونکہ انسانی جذبات سے مُنزّہ [پاک] ہے، کسی انسانی طبقے سے اس کا مخصوص رشتہ نہیں، نہ کسی دوسرے

انسانی طبقے سے اس کو کوئی شکایت یا عداوت ہے، اس لیے خدا کی ہدایت کے تحت انبیا علیہم السلام تمام معاملات کو بے لاگ انصاف کے ساتھ اس نظر سے دیکھتے تھے، کہ تمام انسانوں کی مجموعی فلاح و بہبود کس چیز میں ہے۔ کس طرح ایک ایسا نظام بنایا جائے جس میں ہر شخص اپنی جائز حدود کے اندر رہ سکے، اپنے جائز حقوق سے [نفع حاصل کر] سکے، اور افراد کے باہمی روابط، نیز فرد اور جماعت کے باہمی تعلق میں کامل توازن قائم ہو سکے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کی انقلابی تحریک کبھی طبقاتی نزاع [تصادم] (class war) میں تبدیل نہ ہونے پائی۔ انھوں نے اجتماعی تعمیر نو اس طرز پر نہیں کی کہ ایک طبقے کو دوسرے طبقے پر مسلط کر دیں، بلکہ اس کے لیے عدل کا ایسا طریقہ اختیار کیا، جس میں تمام انسانوں کے لیے ترقی اور مادّی و رُوحانی سعادت کے یکساں امکانات رکھے گئے تھے۔

جہاد کی ضرورت

اسلام محض ایک مذہبی عقیدہ اور چند عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک جامع سسٹم ہے جو دُنیا سے زندگی کے تمام ظالمانہ اور مفسدانہ نظاموں کو مٹانا چاہتا ہے اور ان کی جگہ اپنا ایک اصلاحی پروگرام نافذ کرنا چاہتا ہے، جس کو وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے سب سے بہتر سمجھتا ہے۔

اس تخریب و تعمیر اور انقلاب و اصلاح کے لیے وہ کسی ایک قوم یا گروہ کو نہیں، بلکہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے۔ وہ خود ان ظالم طبقوں اور..... گروہوں، حتیٰ کہ بادشاہوں اور

رئیسوں کو بھی پکارتا ہے، کہ آؤ اس جائز حد کے اندر رہنا قبول کرلو، جو تمھارے خالق نے تمھارے لیے مقرر کی ہے۔ اگر تم عدل اور حق کے نظام کو قبول کرلو گے تو تمھارے لیے امن اور سلامتی ہے۔ یہاں کسی انسان سے دشمنی نہیں ہے، دشمنی جو کچھ بھی ہے ظلم سے ہے، فساد سے ہے، بداخلاقی سے ہے۔

یہ دعوت جو لوگ بھی قبول کرلیں وہ خواہ کسی طبقے، کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں، یکساں حقوق اور مساویانہ حیثیت سے اسلامی جماعت کے رُکن بن جاتے ہیں، اور اس طرح وہ بین الاقوامی انقلابی پارٹی تیار ہوتی ہے، جسے قرآن حزب اللّٰہ کے نام سے یاد کرتا ہے، اور جس کا دوسرا نام 'اسلامی جماعت' یا 'اُمتِ مسلمہ' ہے۔

یہ پارٹی وجود میں آتے ہی اپنے مقصدِ وجود [کو حاصل کرنے] کے لیے جہاد شروع کر دیتی ہے۔ اس کے عین وجود کا اقتضاء [تقاضا] یہی ہے کہ یہ غیر اسلامی نظام کی حکمرانی کے مقابلے میں انسانی [زندگی اور معاشرت] کے اس معتدل و متوازن ضابطے کی حکومت قائم کرے، جسے قرآن ایک جامع لفظ کلمة اللّٰہ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر یہ پارٹی حکومت کو بدلنے اور اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کے وجود میں آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ کسی اور مقصد کے لیے بنائی ہی نہیں گئی ہے، اور اس جہاد کے سوا اس کی ہستی کا اور کوئی مصرف ہی نہیں۔ قرآن [اس کا] ایک ہی مقصد بیان کرتا ہے:

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
[آل عمران، ۳: ۱۱۰]

یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں ہے، بلکہ خدائی فوج داروں کی جماعت ہے: 'تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو' [البقرہ ۲ : ۱۴۳] اور کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، بداخلاقی اور طغیانی مٹا دے۔ اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی خداوندی کو ختم کر دے۔ بدی کی جگہ نیکی قائم کرے: وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ [البقرہ ۲ : ۱۹۳] اور اطاعت صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ [الانفال ۸ : ۷۳] اگر تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بڑا فساد برپا رہے گا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ [الصف ۶۱ : ۹] وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے' تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

کیونکہ مفسدانہ نظام تمدّن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے، اور ایک صالح تمدن اس وقت تک کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حکومت مفسدین سے مصلحین کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔

دُنیا کی اصلاح سے قطع نظر..... ایک مسلمان اگر کسی غیر اسلامی نظام حکومت میں رہ کر اسلامی اصول پر زندگی بسر کرنا چاہے تو اس کا کامیاب ہونا محال ہے۔ جن قوانین کو وہ باطل سمجھتا ہے، جن معاملات کو وہ ناجائز سمجھتا ہے، جس تہذیب اور جس طرزِ زندگی کو وہ فاسد سمجھتا ہے، جس طریق تعلیم کو وہ مہلک سمجھتا ہے، وہ سب کے سب اس پر، اس کے گھر بار پر، اس کی اولاد پر اس طرح مسلط ہو جائیں گے کہ وہ کسی طرح ان کی گرفت سے بچ کر نہ

نکل سکے گا۔ لہٰذا، جو شخص یا گروہ [تبدیلی کی] اس کوشش سے غفلت برتتا ہے، تو اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ درحقیقت اپنے عقائد ہی میں وہ جھوٹا ہے:

اے نبیؐ..... جو لوگ اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں، وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے..... ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردّد ہو رہے ہیں [التوبہ، ۹ : ۴۴-۴۵]

ان الفاظ میں قرآن نے صاف اور صریح فتویٰ دے دیا ہے، کہ اپنے اعتقاد (conviction) میں کسی جماعت کے صادق ہونے کا واحد معیار یہی ہے، کہ وہ جس مسلک پر اعتقاد رکھتی ہو اس کو حکمران بنانے کے لیے جان و مال سے جہاد کرے۔ اگر تم [ایسا نہیں] کرتے ہو تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے، کہ تم اپنے اعتقاد میں جھوٹے ہو۔ اس کا فطری نتیجہ یہی ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ آخر کار اسلام کے مسلک پر تمھارا نام نہاد عقیدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ ابتدا میں تم مسلکِ مخالف کی حکومت کو بہ کراہت گوارا کرو گے، پھر رفتہ رفتہ تمھارے دل اس سے مانوس ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کراہت رغبت سے بدل جائے گی اور آخر میں نوبت اس حد تک پہنچے گی کہ مسلکِ مخالف کی حکومت قائم ہونے اور قائم رہنے میں تم خود مددگار بنو گے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نتیجے کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے:

اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تمھیں نیکی کا حکم دینا اور بدی

سے روکنا اور بدکار کا ہاتھ پکڑنا اور اسے حق کی طرف بزور موڑنا ہوگا، یا پھر اللہ کے قانون کا یہ نتیجہ ظاہر ہوکر رہے گا کہ بدکاروں کے دلوں کا اثر تمھارے دلوں پر بھی پڑ جائے اور ان کی طرح تم بھی ملعون ہوکر رہو۔

عالم گیر انقلاب کا پیغام

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ اسلامی جہاد کا مقصود (objective) غیر اسلامی نظام کی حکومت [کی جگہ] اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسلام یہ انقلاب صرف ایک ملک یا چند ملکوں میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی آخری منزلِ مقصود ایک عالم گیر انقلاب ہے۔ کوئی انقلابی مسلک جو قومیّت کے بجائے انسانیت کی فلاح کے اصول لے کر [اٹھا] ہو، اپنے انقلابی مطمحِ نظر کو کبھی ایک ملک یا ایک قوم کے دائرے میں محدود نہیں کرسکتا۔ حق، جغرافی حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اگر کسی پہاڑ یا دریا کے اِس پار حق ہوں تو اُس پار بھی حق ہی ہوں۔ نوعِ انسانی کے کسی حصے کو بھی مجھ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ انسان جہاں بھی ظلم وستم کا اور افراط و تفریط [حد سے بڑھی زیادتی] کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے، وہاں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میرا فرض ہے۔ اسی تخیّل کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں، اور فریاد کررہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی ومددگار پیدا کردے [النساء، ۴:۷۵]

لہٰذا، مسلم پارٹی [امۃ] کے لیے اصلاحِ عمومی اور تحفظِ خودی دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے، کہ کسی ایک خطے میں اسلامی نظام کی حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ جہاں تک اس کی قوتیں ساتھ دیں، اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک طرف اپنے افکار و نظریات کو دنیا میں پھیلائے گی اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دے گی، کہ اس مسلک کو قبول کریں، جس میں ان کے لیے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہوگی تو وہ غیر اسلامی حکومتوں کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔

یہی پالیسی تھی جس پر..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی۔ پھر جب ان کے برسرِ اقتدار لوگوں نے اس دعوتِ اصلاح کو رد کر دیا تو آپؐ نے ان کے خلاف جنگی کارروائی کا تہیہ کر لیا۔ غزوۂ تبوک اسی سلسلے کی ابتدا تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رُوم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔ مصر و شام اور روم و ایران کے عوام اوّل اوّل اس کو عرب قوم کی امپیریلسٹ [استعماری] پالیسی سمجھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ جس طرح پہلے ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنانے کے لیے نکلا کرتی تھی، اسی طرح اب بھی ایک قوم اُسی غرض کے لیے نکلی ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر یہ لوگ قیصر و کسریٰ کے جھنڈے تلے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے۔

مگر جب ان پر مسلم پارٹی کے انقلابی مسلک کا حال کھلا، اور جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ جفاکارانہ قوم پرستی (aggressive nationalism) کے علم بردار نہیں ہیں، بلکہ قومی اغراض سے پاک ہیں اور محض ایک عادلانہ نظام قائم کرنے آئے ہیں اور ان کا مقصد

درحقیقت ان ظالم طبقوں کی خداوندی کوختم کرنا ہے، جو قیصریت وکسرویت کی پناہ میں ہم کو تباہ و برباد کررہے ہیں،تو ان کی اخلاقی ہمدردیاں مسلم پارٹی کی طرف جھک گئیں۔ وہ قیصرو کسریٰ کے جھنڈے سے الگ ہوتے چلے گئے اور اگر مارے باندھے سے فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے آئے بھی تو بے دلی سے لڑے۔ یہی سبب ہے ان حیرت انگیز فتوحات کا، جو ابتدائی دور میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں اور یہی سبب ہے اس کا کہ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد جب ان ممالک کے باشندوں نے اسلامی نظام اجتماعی کو عملاً کام کرتے ہوئے دیکھا تو وہ خود اس بین الاقوامی پارٹی میں شریک ہوتے چلے گئے اور خود اس مسلک کے علم بردار بن کر آگے بڑھے، تاکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کو پھیلا دیں۔

جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر جب آپ غور کریں گے تو یہ بات بآسانی آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ جنگ کی جو تقسیم جارحانہ (aggressive) اور مدافعانہ (defensive) کی اصطلاحوں میں کی گئی ہے، اس کا اطلاق سرے سے اسلامی **جہاد** پر ہوتا ہی نہیں۔ یہ تقسیم صرف قومی اور ملکی لڑائیوں پر ہی منطبق ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اصطلاحاً ''حملہ'' اور ''مدافعت'' کے الفاظ، ایک ملک یا ایک قوم کی نسبت سے ہی بولے جاتے ہیں۔

اگر اصطلاح سے قطع نظر کر لی جائے، تب بھی اسلامی جہاد پر جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم منطبق نہیں ہوتی۔

ذِمّیوں کی حیثیت

اسلام کا جہاد لوگوں کے عقیدہ و مسلک اور ان کے طریق عبادت یا قوانین معاشرت سے تعرّض نہیں کرتا۔ وہ ان کو پوری آزادی دیتا ہے کہ جس عقیدے پر چاہیں قائم رہیں اور جس مسلک پر چاہیں چلیں۔ البتہ وہ ان کے اس حق کو نہیں مانتا کہ وہ معاملات کے ان طریقوں کو اسلامی نظامِ حکومت میں جاری رکھیں، جو اسلام کے نزدیک اجتماعی فلاح کے لیے مہلک ہیں۔

مثلاً وہ [یعنی اسلام] حکومت کا نظام ہاتھ میں لیتے ہی سودی کاروبار کی تمام صورتوں کو مسدود کر دے گا۔ جوئے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔ قحبہ خانوں اور فواحش کے اڈوں کو کلیتًا بند کر دے گا۔

اس باب میں اگر کوئی شخص اسلام پر ناروا داری کا الزام عائد کرے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ دُنیا کے کسی مسلک نے بھی دوسرے مسلک والوں کے ساتھ اتنی رواداری نہیں برتی ہے، جتنی اسلام برتتا ہے۔ دوسری جگہ تو آپ دیکھیں گے کہ غیر مسلک والوں کے لیے زندگی دوبھر کر دی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ وطن چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام غیر مسلک والوں کو پورے امن کے ساتھ ہر قسم کی ترقی کرنے کا موقع دیتا ہے، اور ان کے ساتھ ایسی فیاضی کا برتاؤ کرتا ہے جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

استعماریت کا شبہ

یہاں پہنچ کر مجھے پھر اس بات کا اعادہ کرنا چاہیے کہ 'اسلام' کی نظر میں جہاد صرف وہی ہے، جو محض فی سبیل اللّٰہ ہو، اور اس جہاد کے نتیجے میں جب اسلامی حکومت قائم ہو تو مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کو ہٹا کر خود قیصر و کسریٰ بن جائیں۔

مسلمان اس لیے نہیں لڑتا اور نہیں لڑ سکتا کہ اس کی ذاتی حکومت قائم ہو جائے اور وہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ بنا لے اور ناجائز طور پر لوگوں کی گاڑھی محنتوں کا روپیہ وصول کر کے اپنے لیے زمین میں جنتیں بنانے لگے۔ یہ **جہاد فی سبیل اللّٰہ** نہیں بلکہ **جہاد فی سبیل الطاغوت** ہے اور ایسی حکومت کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام کا جہاد تو ایک خشک محنت ہے، جس میں جان، مال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اگر یہ جہاد کامیاب ہو اور نتیجے میں حکومت مل جائے تو سچے مسلمان حکمران پر ذمہ داریوں کا اس قدر بھاری بوجھ عائد ہو جاتا ہے، کہ اس غریب کے لیے راتوں کی نیند اور دن کی آسایش تک حرام ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے معاوضے میں وہ حکومت و اقتدار کی ان لذتوں میں سے کوئی لذت حاصل نہیں کر سکتا، جن کی خاطر دنیا میں عموماً حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلام کا فرماں روا نہ تو رعیت کے عام افراد سے ممتاز کوئی بالاتر ہستی ہے، نہ عظمت و رفعت کے تخت پر وہ بیٹھ سکتا ہے، نہ اپنے آگے کسی سے گردن جھکوا سکتا ہے، نہ قانونِ شریعت کے خلاف ایک پتا ہلا سکتا ہے، نہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے کسی عزیز یا دوست یا خود اپنی ذات کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ہستی کے جائز مطالبے سے بچا سکے، نہ وہ حق کے

خلاف ایک حبّہ لے سکتا ہے اور نہ چپہ بھر زمین پر قبضہ کر سکتا ہے۔ ایک متوسط درجے کے مسلمان کو زندگی بسر کرنے کے لیے جتنی تنخواہ کافی ہو سکتی ہے، اس سے زیادہ بیت المال سے ایک پائی لینا بھی اس کے لیے حرام ہے۔ وہ غریب نہ عالی شان قصر بنوا سکتا ہے، نہ عیش و عشرت کے سامان فراہم کر سکتا ہے۔

اس پر ہر وقت یہ خوف غالب رہتا ہے کہ ایک دن اس کے اعمال کا سخت حساب لیا جائے گا اور اگر حرام کا ایک پیسہ، جبر سے لی ہوئی زمین کا ایک چپہ، تکبّر و فرعونیّت کا ایک شمّہ، ظلم و بے انصافی کا ایک دھبّہ اور خواہشاتِ نفسانی کی بندگی کا ایک شائبہ بھی اس کے حساب میں نکل یا تو اسے سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ اگر کوئی شخص حقیقت میں دنیا کا لالچی ہو تو اس سے بڑا کوئی بے وقوف نہ ہوگا اگر وہ اسلامی قانون کے مطابق حکومت کا بار سنبھالنے پر آمادہ ہو۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے فرماں روا سے تو بازار کے ایک معمولی دکان دار کی پوزیشن زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ وہ دن کو خلیفہ سے زیادہ کماتا ہے اور رات کو آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہے۔ خلیفہ بے چارے کو نہ اس کے برابر آمدنی نصیب اور نہ رات کو چین سے سونا ہی نصیب۔

یہ بنیادی فرق ہے اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کا۔ غیر اسلامی حکومت میں حکمران گروہ اپنی خداوندی قائم کرتا ہے اور اپنی ذات کے لیے ملک کے وسائل و ذرائع استعمال کرتا ہے۔ بخلاف اس کے اسلامی حکومت میں حکمران گروہ مجرّد خدمت کرتا ہے، اور عام باشندوں سے بڑھ کر اپنی ذات کے لیے کچھ حاصل نہیں کرتا۔

[اس سے] آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کی جہاں کشائی اور امپیریلزم [استعمار] کی

عالم گیری میں روحی و جوہری فرق ہے۔ اسلامی حکومت میں خراسان، عراق، شام اور مصر کے گورنروں کی تنخواہیں آپ کے معمولی انسپکٹروں کی تنخواہوں سے بھی کم تھیں۔ دراں حالے کہ بیت المال دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے خزانوں سے بھر پور ہو رہا تھا۔ اگرچہ ظاہر میں امپیریلزم بھی ملک فتح کرتا ہے اور اسلام بھی، مگر دونوں کے جوہر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ ہے اس جہاد کی حقیقت جس کے متعلق آپ بہت کچھ سنتے رہے ہیں۔

اب اگر آپ مجھ سے دریافت کریں کہ آج اسلام اور مسلم جماعت اور جہاد کا وہ تصور جو تم پیش کر رہے ہو کہاں غائب ہو گیا؟ اور کیوں دنیا بھر کے مسلمانوں میں کہیں بھی اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا؟ تو میں عرض کروں گا کہ یہ سوال مجھ سے نہ کیجیے بلکہ ان لوگوں سے کیجیے، جنھوں نے مسلمانوں کی توجہ ان کے اصلی مشن سے ہٹا کر تعویذ گنڈوں اور عملیات اور مراقبوں اور [صوفیانہ] ریاضتوں کی طرف پھیر دی، جنہوں نے نجات اور فلاح اور حصولِ مقاصد کے لیے شارٹ کٹ تجویز کیے۔ تاکہ مجاہدے اور جاں فشانی کے بغیر سب کچھ تسبیح پھرانے یا کسی صاحبِ قبر کی عنایات حاصل کر لینے ہی سے میسر آ جائے، جنہوں نے اسلام کے کلیات اور اصول و مقاصد کو لپیٹ کر تاریک گوشوں میں پھینک دیا اور مسلمانوں کے ذہن کو آمین بالجہر اور رفع یدین اور ایصالِ ثواب و زیارتِ قبور اور اسی قسم کے بے شمار جزئیات کی بحثوں میں ایسا پھنسایا، کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقصدِ تخلیق کو اور اسلام کی حقیقت کو قطعی بھول گئے۔

اگر اس سے بھی آپ کی تشفی نہ ہو تو پھر یہ سوال ان امرا اور حکّام اور اصحابِ اقتدار کے سامنے پیش کیجیے، جو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر قرآن کے قانون اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا اس سے زیادہ کوئی حق اپنے اوپر تسلیم نہیں کرتے، کہ کبھی ختمِ قرآن کرا دیں اور کبھی عیدِ میلاد کے جلسے کرا دیں اور کبھی اللہ کو نعوذ باللہ داد دے دیا کریں۔ رہا اس [کے] قانون اور ہدایت کو عملاً نافذ کرنا، تو یہ حضرات اپنے آپ کو اس سے بری الذّمہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت ان کا نفس ان پابندیوں کو قبول کرنے اور ان ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے، جو اسلام ان پر عائد کرتا ہے۔ یہ بڑی سستی نجات کے طالب ہیں۔ [تدوین : س م خ]

آخر ہم سے بڑھ کر نادان اور کون ہوگا

اگر ہم اپنے اسی حصار [اسلام] کو کمزور کر دیں، جو ہمیں دشمن سے بچانے والا ہے،
اور اسی ہتھیار کو کند کر لیں جو ہمیں اس پر غلبہ عطا کرنے والا ہے۔

ہمیں خوب سمجھ لینا چاہیے کہ

ہمارے لیے ہر وہ چیز زہر ہلاہل ہے
جو خدا اور رسولؐ اور آخرت پر ہمارے ایمان کو کمزور کرنے والی ہو
اور جو خدا سے ہمارے تعلق کو ضعف پہنچانے والی ہو،
جو خدا کا خوف ہمارے دلوں سے نکالنے والی ہو،
اور جو ہمارے اخلاق کو بگاڑنے والی ہو۔
آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے، جو ہم سے بڑھ کر

اسلام کی احسان مند اور اس کے فیض کی حاجت مند ہو

ہم تو اپنے وجود کے لیے بھی اسی کے رہینِ منت ہیں اور ہماری بقا بھی اسی پر منحصر ہے۔

ہمیں صدق دل سے یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ

ہم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں گے جو برا وقت آنے پر
خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں
اور وہ وقت گزر جانے کے بعد اسے بھول جاتے ہیں۔

(۱۴ اکتوبر ۱۹۶۵ء- ریڈیو پاکستان پر قوم سے خطاب)

میں اصولاً

قانون شکنی اور غیر آئینی طریق کار اور زیر زمین کام کرنے کا سخت مخالف ہوں۔

میری یہ رائے کسی خوف یا وقتی مصلحت کی بنا پر نہیں ہے'

بلکہ میں سالہا سال کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قانون کا احترام مہذب معاشرے کے وجود کے لیے ناگزیر ہے'

اور کوئی تحریک اگر اس احترام کو ایک دفعہ ضائع کر دے' تو پھر خود اس کے لیے بھی لوگوں کو قانون کا پابند بنانا سخت دشوار بلکہ محال ہو جاتا ہے۔

اسی طرح

زیر زمین کام اپنے اندر وہ قباحتیں رکھتا ہے

جن کی وجہ سے اس طریقے پر کام کرنے والے آخر کار خود اُن لوگوں سے بھی بڑھ کر معاشرے کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں' جن کو ہٹانے کے لیے وہ یہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔

انھی وجوہ سے میرا یہ عقیدہ ہے کہ

قانون شکنی اور خفیہ کام قطعی غلط ہے۔

میں نے ہمیشہ جو کچھ کیا ہے' علانیہ کیا ہے

اور آئین و قانون کے حدود کے اندر رہ کر کیا ہے۔

حتیٰ کہ جن قوانین کا میں شدید مخالف ہوں'

ان کو بھی میں نے آئینی و جمہوری طریقے سے بدلوانے کی کوشش کی ہے۔

(سید مودودی' ۱۰ نومبر ۱۹۶۳ء)

ہمیں جو چیز کامیاب کرسکتی ہے
وہ ہماری اپنی طاقت نہیں' بلکہ خدا کی رحمت ہے'
اور خدا اپنی رحمت سے انھی لوگوں کو نوازتا ہے جو اس کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں۔
جو چیزیں خدا کے غضب کو دعوت دینے والی ہوں' خدا کی رحمت ان کے ساتھ نہیں آتی۔

یاد رکھیے!
اگر ہم خدا سے ڈرتے ہوئے کام کریں گے' تو
یقیناً اللہ کی تائید و نصرت ہمارے شاملِ حال رہے گی
اور
جس کے ساتھ اللہ ہو' دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

(جنگ کے دوران' ۱۸ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان پر قوم سے خطاب)

مغرب اور اس کے ہم نواؤں نے الزام لگایا:

اسلام تلوار سے پھیلا ہے

ہمارے دانش وروں نے شرماتے ہوئے جواب دیا:

اسلام کا کیا تعلق تلوار سے!

لیکن اصل حقیقت کیا ہے؟

اس موضوع پر ایک بے مثال تحقیقی دستاویز،
جس نے مشرق و مغرب میں خراجِ تحسین حاصل کیا۔
اسلامی قانونِ جنگ اور غیر مسلم اقوام کے جنگی جنون کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ

۲۴ برس کے نوجوان
سید ابوالاعلیٰ مودودی کی معرکہ آرا تصنیف

الجہاد فی الاسلام

جس میں نہ معذرت ہے اور نہ حقائق شکنی
بلکہ یہ سچائی اور دیانت کا سرچشمہ ہے

قیمت: ۱۲۵ روپے

ادارہ ترجمان القرآن